

## نجات حقیقی کا اصل سرچشمہ، خدائے عزوجل سے ذاتی محبت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْبَةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۗ وَمَنْ أَدَّىٰ بَعْدَهُ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبَشِرُوا بَبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ: 111)

یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں تاکہ اس کے بدلہ میں انہیں جنت ملے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس کے ذمہ یہ پختہ وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں (بیان ہے)۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ پس تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

خدا سے چاہیے ہے لو لگانی  
کہ سب فانی ہیں پر وہ غیر فانی  
وہی ہے راحت و آرام دل کا  
اُسی سے روح کو ہے شادمانی

معزز سامعین! مجھے آج ”نجات حقیقی کا اصل سرچشمہ، خدائے عزوجل سے ذاتی محبت“ کے عنوان پر گفتگو کرنی ہے۔

انسان کی پیدائش اور تخلیق کا مقصد جو قرآن کریم کی رو سے بیان ہوا ہے وہ اپنے رب کی عبادت کرنا ہے اور اگر قرآن کریم میں بیان شدہ اوامر اور نواہی کو دیکھیں تو پہلا حکم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کو مخاطب ہوتے ہوئے یہی ارشاد ہوا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو اور ان اوامر اور نواہی کا مقصد یہ ہے کہ انسان حقیقی نجات پائے۔

اب اگر اس مضمون کو لیا جائے تو عبادت، عبودیت، معرفت، محبت، خشیت، نجات وغیرہ بعض ایسے الفاظ ہیں جو بندے اور اس کے رب کے باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان الفاظ کو اگر خاص ترتیب سے ایک جملہ میں استعمال کریں تو اس مضمون کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے کہ بندہ اس حکم کی تعمیل میں اپنے رب کی عبادت میں محبت ذاتی یا خشیت کا زینہ استعمال کرتے ہوئے معرفت کے حقیقی مقام تک پہنچتا ہے تو حقیقی نجات پا جاتا ہے۔

یہاں محبت ذاتی سے مراد ہے ایسی محبت جو کسی نفسانی لالچ کے بغیر، کسی غرض کے بغیر کی جاتی ہے۔ کیونکہ اعتراض کرنے والے ثواب کی لالچ سے پیدا ہونے والی محبت پر سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یعنی ایسی محبت پر یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے کہ یہ تو محبت غرضی پیدا کر کے خدا کی عبادت کی طرف بلا گیا ہے۔

دیکھا جائے تو معرفت الہی کے دو طریق معروف طور پر بیان ہوتے ہیں ایک خشیت الہی کے ذریعہ یا پھر محبت الہی کے ذریعہ سے۔ قرآن کریم نے بھی بعض جگہوں پر اندازاری پہلو اختیار کرتے ہوئے انبیاء کو بطور نذیر پیش کر کے اور عذاب الہی کی مثالیں دیتے ہوئے یا بطور سزا جہنم کا نقشہ کھینچتے ہوئے خدا تعالیٰ کی خشیت کو بیان کیا ہے اور اس کے عذابوں، غصہ اور قہر سے ڈرایا ہے تاکہ انسان کو اپنے رب حقیقی کی عبادت کی طرف راغب رکھا جائے۔ اس کے جلال اور اس کی شان و عظمت سے ایسا خوف طاری رہے کہ وہ اس خشیت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے رب کے سامنے جھکا رہے۔ اس پر سطحی نظر ڈالنے والے دنیا پرست یہ بھی اعتراض کر دیتے ہیں کہ خوف پیدا کر کے اپنا مقصد حاصل کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اس عبادت کے مقصد کو پورا کرنے اور اس میں جوش پیدا کر کے حقیقی نجات پانے کے لئے دوسرا ذریعہ جو بیان ہوا ہے وہ محبت الہی ہے۔ قرآن کریم نے اس پہلو کو بطور بہترین بدلہ کے جنت اور اس میں ملنے والی نعماء کے دلکش مناظر اور انبیاء کے وجود کو بطور بشیر بنا کر خدا تعالیٰ کے لطف و عنایات کا بیان کر کے ذکر فرمایا ہے۔ مگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مقصد کے حاصل کرنے کے لئے محبت غرضی پیدا کی گئی ہے۔ ثواب کی لالچ دلائی گئی ہے۔

مگر حقیقت میں اسی قرآن نے جس ہستی پر اس کو نازل کیا گیا تھا اپنے ذکر میں اس عظیم ہستی کی ان انسانوں کے لئے بطور اسوۂ حسنہ اور رول ماڈل بیان کرتے ہوئے اپنے خدا سے محبت ذاتی کی وہ حقیقت عیاں کر دی کہ جس کا شور مکہ کی گلیوں میں بھی ہوتا تھا کہ عَشِيقٌ مَّحَمَّدٌ رَبُّهُ۔ اور یہ گواہی دے دی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ محبت اور عشق کسی بھی لالچ کے بغیر تھا۔ پھر یہ وہی محبت ذاتی تھی جس محبت کے جواب میں خود محبوب حقیقی اور خالق کائنات نے بھی اس اقرار کو ایک حدیث قدسی میں بھی سمو کر رکھ دیا کہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ کہ اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو کُل کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

اس نے مظہر اتم الوہیت اور انسان کامل میں اپنے رب سے عشق اور محبت ذاتی کو اس خشیت اور خوف پر یوں غالب پایا تھا کہ آخر اس تعلق کو ذنی اَفْتَدَلْتِیْ اور قَابِ قَوْسَیْنِ جیسے مقام تک پہنچا ہوا بیان کر دیا۔ یقیناً اس انسان کامل نے ذاتی محبت اور اس حقیقی خوف کی حقیقت اپنے نمونہ سے ماننے والوں پر ایسی عیاں کر دی کہ جس نے انسان اور اس کے خدا کے تعلق کو مزید ترقی اور معرفت کا ایسا ذریعہ بنا دیا کہ اس کی راہ میں پھر کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا گیا اور وہ خدا نما انسان اپنے رب حقیقی کی رضا پانے کے لئے، اس محبت میں اپنی جان، مال اور اولادوں کی پرواہ کئے بغیر تلواروں کے نیچے کٹ مرنے کو ہر دم تیار رہتے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت میں محور تھے۔ کیونکہ وہ حقیقت کو پا چکے تھے اور اس میں ہی حقیقی نجات دیکھتے تھے۔ حقیقی نجات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی محبت اور رضا پانے کے لئے اسی محبت میں اس کی ناراضگی کے خوف سے استغفار بھی کرتے رہتے جو ایسی محبت اور تعلق میں ایک لازمی جزو ہے۔ تھی تو ان کا وہ عبد شکور نبی امی خاتم الرسل سید الاستغفار بھی کہلایا تھا۔ اسی محبت ذاتی سے اس اسوہ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جماعت اصحاب کی تیار کر دی تھی جس سے امام آخر الزمان کی جماعت نے ملنا تھا اور وہی نمونہ صدق و وفا اور ایثار و قربانی کے دکھانے تھے۔

گویا اب آخرین کی اس جماعت کا بھی حقیقی مقصد حصول نجات کے واسطے اور خدا کو پانے کے لئے، اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں محض محبت ذاتی میں ویسی ہی ترقی کرنی ہے جیسی کہ اس غلام صادق امتی نبی اور مسیح آخر الزماں نے کر کے دکھادی تھی اور ”صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا“ کا مصداق ٹھہرنا ہے۔

اس مقصد کی طرف انسان کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مسیح موعودؑ نے ان الفاظ میں توجہ دلائی کہ ”تم اس خدا کے پہچاننے کے لئے بہت کوشش کرو جس کا پانا عین نجات اور جس کا ملنا عین رستگاری ہے۔ وہ خدا اسی پر ظاہر ہوتا ہے جو دل کی سچائی اور محبت سے اس کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ اسی پر تجلی فرماتا ہے جو اسی کا ہو جاتا ہے۔ وہ دل جو پاک ہیں وہ اس کا تخت گاہ ہیں اور وہ زبانیں جو جھوٹ اور گالی اور یاہ گوئی سے منزہ ہیں۔ وہ اس کی وحی کی جگہ ہیں اور ہر ایک جو اس کی رضا میں فنا ہوتا ہے اس کی اعجازی قدرت کا مظہر ہو جاتا ہے۔“

(کشف الغطاء، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 188)

سامعین! پھر اس خدا کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنے کے لئے اس طرز سے نصیحت فرمائی کہ

”کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محروم! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تالوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدر تیں ہیں اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاؤ۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسے کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چینیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک بیمار خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر

گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہیں انہوں نے مردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دور جا پڑے۔ انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسانی روح ان میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے ان کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے ان کے تمام اندرونی اعضا کاٹ دیئے ہیں۔ پس تم اس جذام سے ڈرو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21-22)

اس محبت کی حقیقت سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”محبت کوئی تصنع اور تکلف کا کام نہیں بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک قوت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھنچے جانا اور جیسا کہ ہر ایک چیز کے اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہی محبت کا حال ہے کہ اس کے جوہر بھی اس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَشْرَبُوْا نِيْ قُلُوْبِهِمْ الْعَجَلِ (البقرہ: 94)۔ یعنی انہوں نے گوسالہ سے ایسی محبت کی کہ گویا ان کو گوسالہ شربت کی طرح پلا دیا گیا۔ درحقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے تو گویا اسے پی لیتا ہے یا کھا لیتا ہے اور اس کے اخلاق اور اس کے چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے اسی قدر انسان بالطبع اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی کا روپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ ظلمی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں ہے اور شیطان سے محبت کرنے والے وہ تاریکی حاصل کر لیتے ہیں جو شیطان میں ہے۔“

(نورالقرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 430)

پیارے ساتھیو! پھر آپ فرماتے ہیں کہ

”... محبت کی حقیقت بالاتزام اس بات کو چاہتی ہے کہ انسان سچے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عبادات پسند کرے اور ان میں فنا ہونے کے لئے بدل و جان ساعی ہوتا ہے۔ محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو محبوب کو حاصل ہے۔ سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تصویر اس کی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اسے پی جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہو کر اور اس کے رنگ میں رنگین ہو کر اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس کی محبت میں کھویا گیا ہے۔“

(نورالقرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 431)

اصل عبادت وہی ہے جو محبت ذاتی سے ہونہ کہ کسی فائدے کے لئے۔ اسی سچی محبت کی علامت بیان فرماتے ہوئے آپ مزید فرماتے ہیں کہ ”... محبت عجیب چیز ہے۔ اس کی آگ گناہوں کی آگ کو جلاتی اور معصیت کے شعلے کو بھسم کر دیتی ہے۔ سچی اور ذاتی اور کامل محبت کے ساتھ عذاب جمع ہو ہی نہیں سکتا اور سچی محبت کے علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی فطرت میں یہ بات منقوش ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کے قطع تعلق کا اُس کو نہایت خوف ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ تصور کے ساتھ اپنے تئیں ہلاک شدہ سمجھتا ہے اور اپنے محبوب کی مخالفت کو اپنے لئے ایک زہر خیال کرتا ہے اور نیز اپنے محبوب کے وصال کے پانے کے لئے نہایت بے تاب رہتا ہے اور بُعد اور دُوری کے صدمہ سے ایسا گداز ہوتا ہے کہ بس مر ہی جاتا ہے۔ اس لئے وہ صرف ان باتوں کو گناہ نہیں سمجھتا کہ جو عوام سمجھتے ہیں کہ قتل نہ کر۔ خون نہ کر۔ زنا نہ کر۔ چوری نہ کر۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔ بلکہ وہ ایک ادنیٰ غفلت کو اور ادنیٰ التفات کو جو خدا کو چھوڑ کر غیر کی طرف کی جائے ایک کبیرہ گناہ خیال کرتا ہے۔ اس لئے اپنے محبوب ازلی کی جناب میں دوام استغفار اس کا ورد ہوتا ہے اور چونکہ اس بات پر اس کی فطرت راضی نہیں ہوتی کہ وہ کسی وقت بھی خدا تعالیٰ سے الگ رہے اس لئے بشریت کے تقاضا سے ایک ذرہ غفلت بھی اگر صادر ہو تو اس کو ایک پہاڑ کی طرح گناہ سمجھتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک اور کامل تعلق رکھنے والے ہمیشہ استغفار میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ یہ محبت کا تقاضا ہے کہ ایک محب صادق کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اس کا محبوب اس پر ناراض نہ ہو جائے اور چونکہ اس کے دل میں ایک پیاس لگا دی جاتی ہے کہ خدا کامل طور پر اس سے راضی ہو اس لئے اگر خدا تعالیٰ یہ بھی کہے کہ میں تجھ سے راضی ہوں تب بھی وہ اس قدر پر صبر نہیں کر سکتا کیونکہ جیسا کہ شراب کے دور کے وقت ایک شراب پینے والا ہر دم ایک مرتبہ پی کر پھر دوسری مرتبہ مانگتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے اندر محبت کا چشمہ جوش مارتا ہے تو وہ محبت طبعاً یہ تقاضا کرتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ پس محبت کی کثرت کی وجہ سے استغفار کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ خدا سے کامل طور پر پیار کرنے والے ہر دم اور ہر لحظہ استغفار کو اپنا ورد رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر معصوم کی یہی نشانی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے۔ اور استغفار کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ہر ایک لغزش اور قصور جو بوجہ ضعف بشریت انسان سے صادر ہو سکتی ہے اس امکانی کمزوری کو دور کرنے کے لئے خدا سے مدد مانگی جائے تا خدا کے فضل سے وہ کمزوری ظہور میں نہ آوے۔ اور مستور و مخفی رہے۔ پھر بعد اس کے استغفار کے معنی عام لوگوں کے لئے وسیع کئے گئے اور یہ امر بھی استغفار میں داخل ہوا کہ جو کچھ لغزش اور قصور صادر ہو چکا خدا تعالیٰ اس کے بدنتائج اور زہریلی تاثیروں سے دنیا اور آخرت میں محفوظ رکھے۔ پس نجات حقیقی کا سرچشمہ محبت ذاتی خدائے عزوجل کی ہے جو عجز و نیاز اور دائمی استغفار کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور جب انسان کمال درجہ تک اپنی محبت کو پہنچاتا ہے اور محبت کی آگ سے اپنے جذبات نفسانیت کو جلا دیتا ہے تب یکدفعہ ایک شعلہ کی طرح خدا تعالیٰ کی محبت جو خدا تعالیٰ اس سے کرتا ہے اس کے دل پر گر گئی ہے اور اس کو سفلی زندگی کے گندوں سے باہر لے آتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی قیوم کی پاکیزگی کا رنگ اس کے نفس پر چڑھ جاتا ہے بلکہ تمام صفات الہیہ سے ظلی طور پر اس کو حصہ ملتا ہے۔ تب وہ تجلیات الہیہ کا مظہر ہو جاتا ہے اور جو کچھ ربوبیت کے ازلی خزانہ میں مکتوم و مستور ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہ اسرار دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا جس نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے بخیل نہیں ہے بلکہ اس کے فیوض دائمی ہیں اور اس کے اسماء اور صفات کبھی معطل نہیں ہو سکتے۔۔۔“

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 378-380)

پھر محبت الہی کے معیار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”اگر یہ معلوم کر لو کہ تم میں ایک عاشق صادق کی سی محبت ہے جس طرح وہ اس کے ہجر میں، اس کے فراق میں بھوکا مرنے والا ہے پیاس سہتا ہے نہ کھانے کی ہوش نہ پانی کی پرواہ۔ نہ اپنے تن بدن کی کچھ خبر اسی طرح تم بھی خدا کی محبت میں ایسے محو ہو جاؤ کہ تمہارا وجود ہی درمیان سے گم ہو جاوے پھر اگر ایسے تعلق میں انسان مر بھی جاوے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ ہمیں تو ذاتی محبت سے کام ہے۔ نہ کشوف سے غرض نہ الہام کی پرواہ۔ دیکھو! ایک شرابی شراب کے جام کے جام پیتا ہے اور لذت اٹھاتا ہے۔ اسی طرح تم اس کی ذاتی محبت کے جام بھر بھر کے پیو۔ جس طرح وہ دریا نوش ہوتا ہے اسی طرح تم بھی کبھی سیر نہ ہونے والے بنو۔ جب تک انسان اس امر کو محسوس نہ کر لے کہ میں محبت کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہوں کہ اب عاشق کہلا سکوں تب تک پیچھے ہرگز نہ ہٹے۔ قدم آگے ہی آگے رکھتا جاوے اور اس جام کو منہ سے نہ ہٹائے۔ اپنے آپ کو اس کے لیے بیقرار و شیدا و مضطرب بناو۔ اگر اس درجہ تک نہیں پہنچے تو کوزی کے کام کے نہیں۔ ایسی محبت ہو کہ خدا کی محبت کے مقابل پر کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔ نہ کسی قسم کی طمع کے مطیع بنو اور نہ کسی قسم کے خوف کا تمہیں خوف ہو۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 134)

سامعین! پھر فرماتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ سے بالکل راضی ہو جاوے اور کوئی شکوہ شکایت نہ رہے اس وقت محبت ذاتی پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک خدا سے محبت ذاتی پیدا نہ ہو تو ایمان بڑے خطرے کی حالت میں ہے لیکن جب ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو انسان شیطان کے حملوں سے امن میں آجاتا ہے۔ اس ذاتی محبت کو دعا سے حاصل کرنا چاہئے۔ جب تک یہ محبت پیدا نہ ہو انسان نفس امارہ کے نیچے رہتا ہے اور اس کے پنجہ میں گرفتار رہتا ہے اور ایسے لوگ جو نفس امارہ کے نیچے ہیں ان کا قول ہے ”ایہہ جہان مٹھا گلکان ڈھا“ یہ لوگ بڑی خطرناک حالت میں ہوتے ہیں اور لوامہ والے ایک گھڑی میں ولی اور ایک گھڑی میں شیطان ہو جاتے ہیں۔ ان کا ایک رنگ نہیں رہتا کیونکہ ان کی لڑائی نفس کے ساتھ شروع ہوتی ہے جس میں کبھی وہ غالب اور کبھی مغلوب ہوتے ہیں تاہم یہ لوگ محل مدح میں ہوتے ہیں کیونکہ ان سے نیکیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور خوف خدا بھی ان کے دل میں ہوتا ہے لیکن نفس مطمئنہ والے بالکل فتح مند ہوتے ہیں اور وہ سارے خطرے اور خوفوں سے نکل کر امن کی جگہ میں جا پہنچتے ہیں۔ وہ اس دارالامان میں ہوتے ہیں جہاں شیطان نہیں پہنچ سکتا۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 508)

پھر ایک مؤمن کے عشق الہی کے معیار کے بارے میں فرمایا کہ

”مؤمن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے اور اپنے معشوق یعنی خدا کے لیے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنے والا جوش اپنے اندر رکھتا ہے اور تضرع اور اہتال اور ثبات قدمی سے اس کے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اس کے لیے لذت نہیں ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغنا دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور بے التفاتی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا

ہے اور درد دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کی طرف سے محبت الہی میں پورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو، محبت میں سچا جوش اور عہد عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں نہ لاسکے اور معشوق کی طرف سے کبھی کبھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کا موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل میں درد اٹھے اور خیر خواہی کے لیے اضطراب پیدا ہو۔ اور اس کی اعانت کے لیے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے لیے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے الوہیت کے سایہ میں لا ڈالتا ہے۔ جب تک اس کی حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اس وقت انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بکلی منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لیے ایسا درد ہونا چاہئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناکواں پیارے بچے کے لیے دل میں سچا جوش محبت رکھتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 32)

پھر فرمایا کہ

”انسان جب خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ میں پڑ کر اپنی تمام ہستی کو جلا دیتا ہے تو وہی محبت کی موت اس کو ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔ کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ محبت بھی ایک آگ ہے اور گناہ بھی ایک آگ ہے۔ پس یہ آگ جو محبت الہی کی آگ ہے گناہ کی آگ کو معدوم کر دیتی ہے۔ یہی نجات کی جڑ ہے۔“

(قادیان کے آریہ اور ہم، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 448)

پیارے بھائیو! خاص طور پر اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”خدا نہ معمولی طور پر بلکہ نشان کے طور پر کامل متقی کو بلا سے بچاتا ہے ہر ایک مکار یا نادان متقی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مگر متقی وہ ہے جو خدا کے نشان سے متقی ثابت ہو۔ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ میں خدا سے پیار کرتا ہوں۔ مگر خدا سے پیار وہ کرتا ہے جس کا پیار آسمانی گواہی سے ثابت ہو۔ اور ہر ایک کہتا ہے کہ میرا مذہب سچا ہے مگر سچا مذہب اس شخص کا ہے جس کو اس دنیا میں نور ملتا ہے۔ اور ہر ایک کہتا ہے کہ مجھے نجات ملے گی مگر اس قول میں سچا وہ شخص ہے جو اسی دنیا میں نجات کے انوار دیکھتا ہے۔ سو تم کوشش کرو کہ خدا کے پیارے ہو جاؤ تا تم ہر ایک آفت سے بچائے جاؤ۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 82)

حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 9 مارچ 2018ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ سے اس عشق و محبت میں گم ہونے والے صحابہؓ اور ان کی دین کی خاطر عظیم الشان قربانی کے حوالہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ

”محبت ایک ایسی شے ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ ایک شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کے لئے کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔“ پھر دنیا والوں کی ایک مثال دی آپ نے کہ ”ایک عورت کسی پر عاشق تھی۔ اس کو کھینچ کھینچ کر لاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ماریں کھاتی تھی مگر وہ کہتی تھی کہ مجھے لذت ملتی ہے۔ جبکہ جھوٹی محبتوں، فسق و فجور کے رنگ میں جلوہ گر ہونے والے عشق میں مصائب اور مشکلات کے برداشت کرنے میں ایک لذت ملتی ہے۔“ آپ فرماتے ہیں (دنیا داروں کا یہ حال ہے) ”تو خیال کرو کہ وہ جو خدا تعالیٰ کا عاشق زار ہو، اس کے آستانہ الوہیت پر نثار ہونے کا خواہشمند ہو وہ مصائب اور مشکلات میں کس قدر لذت پاسکتا ہے۔“ آپ فرماتے ہیں کہ ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھو۔ مکہ میں ان کو کیا کیا تکلیفیں پہنچیں۔ بعض ان میں سے پکڑے گئے۔ قسم قسم کی تکلیفوں اور عقوبتوں میں گرفتار ہوئے۔ مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ ان کے تصور سے بدن کانپ اٹھتا ہے۔ اگر وہ مکہ والوں سے مل جاتے تو اس وقت بظاہر وہ ان کی بڑی عزت کرتے کیونکہ وہ ان کی برادری ہی تو تھے۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا۔ وہ وہی لذت اور سرور کا چشمہ تھا جو حق کے پیار کی وجہ سے ان کے سینوں سے پھوٹ نکلتا تھا۔“

پھر آپ اس واقعہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا کہ میں وضو کرتا ہوں۔ آخر لکھا ہے کہ سر کاٹو تو“ (پھر کہا کہ) ”سجدہ کرتا ہے۔ کہتا ہوا مر گیا۔ اس وقت اس نے دعا کی کہ یا اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ (میں) تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا۔ آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔ غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے“ (جس طرح ان صحابی نے کہا تھا میں نے رب کعبہ کو پایا۔ جو انتہا تھی عشق کی وہاں میں پہنچ گیا۔) فرماتے ہیں کہ ”اور

مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔ سچ پوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جایا قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے؟ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر (وہ) مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے۔“

(ماخوذ از ملفوظات جلد 2 صفحہ 308-309 ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اسی محبت الہی کے متعلق اٹھنے والے ایک عام اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعودؑ کے ہی الفاظ میں بیان فرمایا تھا جس پر اس تقریر کا اختتام ہو گا۔

حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ ایک اقتباس ہے۔ اصل میں یہ پادری فتح مسیح کے خط کے جواب میں آپ فرما رہے ہیں جس نے کچھ اعتراضات کئے تھے اور آپ نے ان کے جواب دیئے۔ آپ نے فرمایا: ”... آپ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان لوگ خدا کے ساتھ بھی بلا غرض محبت نہیں کرتے ان کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا اپنی خوبیوں کی وجہ سے محبت کے لائق ہے۔“ (تو اس کا جواب یہ ہے۔ فرمایا) ”پس واضح ہو کہ یہ اعتراض درحقیقت انجیل پر وارد ہوتا ہے نہ قرآن پر کیونکہ انجیل میں یہ تعلیم ہرگز موجود نہیں کہ خدا سے محبت ذاتی رکھنی چاہئے اور محبت ذاتی سے اس کی عبادت کرنی چاہئے مگر قرآن تو اس تعلیم سے بھرپڑا ہے۔ قرآن نے صاف فرمادیا ہے۔ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا...“ (البقرہ: 201) اور پھر فرمایا ”... وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: 166) یعنی خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ اپنے باپوں کو بلکہ اس سے بہت زیادہ۔ اور مومنوں کی یہی شان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر خدا سے محبت رکھتے ہیں یعنی ایسی محبت نہ وہ اپنے باپ سے کریں اور نہ اپنی ماں سے اور نہ اپنے دوسرے پیاروں سے اور نہ اپنی جان سے اور پھر فرمایا۔ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ (الحجرات: 8)۔ یعنی خدا نے تمہارا محبوب ایمان کو بنا دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور پھر فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (النحل: 91) یہ آیت حق اللہ اور حق العباد پر مشتمل ہے اور اس میں کمال بلاغت یہ ہے کہ دونوں پہلو پر اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے۔“ فرمایا کہ ”... حق العباد کا پہلو تو ہم ذکر کر چکے ہیں...“

اصل میں یہ جس کتاب کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہ نور القرآن نمبر 2 ہے۔ (نور القرآن نمبر 2 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 436 تا 441) اس میں آپ نے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال اس میں پہلے حق العباد کا جو آپ نے ذکر فرمایا اس میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ یہ ہیں کہ مومن کافر پر بھی شفقت کرے یہ حق العباد ہے اور گہرائی میں جا کر اگر اس کی ہمدردی کی ضرورت ہو تو ضرور کرے۔ اس کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا غمگسار ہو۔ یعنی چاہے وہ کافر ہی ہے اگر اس کو کسی قسم کی بیماری ہے۔ چاہے وہ روحانی بیماری ہے تو اس کے لئے غمگسار ہو۔ اور یہ ہیں حقوق العباد۔ یہاں اس بات کا بھی جواب آگیا کہ کافر سے محبت کس طرح ہو؟ بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں Love for all۔ یہ کس طرح ہو سکتی ہے؟ تو فرمایا کہ اس کی ہمدردی اس کی اصلاح کرنا، اس کی ضرورت کو پورا کرنا اس سے محبت ہے نہ کہ محبت میں آکر کافر کی کفرانہ باتوں اور اس کے دین کو اختیار کر لینا۔ ایک مومن سے جو محبت ہے اگر وہ حقیقی مومن ہے تو اس سے محبت یہ ہے کہ اس کی جو اچھی عادات ہیں، اس میں جو نیکیاں ہیں ان کو اختیار کرنا اور اگر اس میں کوئی برائیاں ہیں تو اس کو دین کے حوالے سے ان کو سمجھانا۔ لیکن جو عام انسانی ہمدردی ہے وہ ہر ایک کے لئے اس سے محبت ہے۔ محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک کی جو ذاتی برائیاں، عادات ہیں ان کو اپنا لیا جائے کہ ہمیں اس سے بڑی محبت ہے۔ پھر حقوق العباد میں بھی آپ نے فرمایا کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا، غلاموں کو آزاد کرنا، قرضداروں کے قرض ادا کرنا، جو زیر بار ہیں ان کا بار اٹھانا۔ پھر یہ کہ عدل کا بھی اس میں، حقوق العباد میں ذکر آگیا، کہ عدل سے بڑھ کر پھر احسان کرو۔ اور احسان یہ ہے کہ بلا تخصیص مذہب و ملت ہر ایک سے کرو اور یہی حقوق العباد ہیں اور یہ ان لوگوں کے حق ہیں جو ایک انسان کے لئے اس کی محبت میں ایک مومن ادا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لئے۔ اول محبت بہر حال خدا تعالیٰ کی ہے۔ پھر فرمایا کہ حق العباد کا ذکر تو ہم نے کر دیا۔“

(خطبہ جمعہ 4 اپریل 2014ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حقیقی محبت عطا کرے اور ہم اس کا حقیقی عبد بن سکیں۔ آمین

(بتعاون: مکرم لقمان احمد کشور صاحب۔ برطانیہ)

